ISSN: 2583-8784 (Online)

اردو اسٹڈیز
URDU STUDIES
Vol 3 Issue 1 October 2023

Pages 57-64
www.urdustudies.in
Included in
UGC-CARE List

"Aafaq-e-nawa: ek jāeza" © 2023 by Mehmood Hashmi is licensed under CC BY-NC-ND 4.0

Aafaq-e-nawa: ek jāeza

Mehmood Hashmi

گوشۂ شفیق فاطمہ شِعریٰ

آفاقِ نوا: ایک جائزہ

محمود ہاشمی

"آفاق نوا" اُس فن کار کی نظموں کا مجموعہ ہے جس نے اس صدی کی پانچویں دہائی میں جدید شاعری اور جدید نظم سے اپنا رشتہ استوار کیا۔ یہ زمانہ ادبی اعتبار سے غیر معمولی شکست وریخت اور تبدیلیوں کا زمانہ ہے۔ شعریٰ کی نظمیں بھی ایک نئے اندازِ مبارز طلبی کی حامل تھیں۔ 'سوغات'، 'صبا' اور بعد میں 'شب خون' جیسے مستند ادبی رسائل میں شفیق فاطمہ شعریٰ کی نظمیں شائع ہوتی رہیں اور ان کی ہر ایک نظم، اپنی بیکرانی میں ایسے ایسے سیال استعاروں کی کائنات کا ذائقہ چکھاتی کہ پڑھنے والے عش عش کر اٹھتے تھے۔ شعریٰ کا تخلیقی سفر جب شروع ہوا اس وقت تک پاکستان کی کشور ناہید اور فہمیدہ ریاض اور ہندوستان کی زاہدہ زیدی اور ساجدہ زیدی کا شہود نہیں ہوا تھا۔ اُردو میں اور خصوصاً جدید نظم میں کسی نسوانی آواز کا عدم وجود بے حد کھلتا تھا۔ شفیق فاطمہ شعریٰ نے لکھنا شروع کیا اور اپنی نظموں کو ایسے ادبی رسائل تک محدود رکھا جو اپنے عہد کے ادبی مطالبات سے آگاہ تھے۔ چناں چہ شعریٰ کی شخصیت اور اُن کے فن پر سنجیدگی اور تخلیقی وقار کی ایک رداسایہ فگن رہی اُن کی نظموں میں جو وسعت، جدت اور گہرائی تھی، اُس سے روشناس ہونے کے بعد کسی نے شعریٰ سے یہ شکایت بھی نہ کی کہ وہ نسوانی جذبات کی ترجمانی نہیں کرتیں۔ اس طرز کے شکوے کی ضرورت بھی اس لیے نہ تھی

کہ بعض مشاعرہ باز شعرا اپنی تخلیقات کے ذریعے اُردو شاعری کو اس الزام سے بچانے میں مصروف تھے کہ ''اردو شاعری میں نسوانی جذبات کی ترجمانی نہیں ہے۔''

شعریٰ ایک طویل عرصہ تک اردو کے عہد ساز رسائل میں نظر آتی رہیں پھر اچانک انھوں نے چھپنے چھپانے سے احتراز شروع کر دیا۔

اُن کی خاموشی اور بے تعلقی پر صاحبانِ ادب کو صدمہ ہوا۔ اب جب کہ شفیق فاطمہ شعریٰ کا پہلا مجموعہ کلام ''آفاقِ نوا'' کے نام سے شائع ہوا ہے تو ایک بار پھر گزری ہوئی دو تین دہائیوں کی ادبی صورتِ حال اور تخلیقی تجربات کی شدت اور گم شدہ ادبی رسائل کا عہد نگاہوں کے مقابل ہے۔ کیا زمانہ تھا، کیا بحثیں تھیں اور کیا کیا تخلیقات شائع ہوتی تھیں۔ اور شعریٰ کی نظمیں کس انہماک سے پڑھی جاتی تھیں۔

''آفاق نوا'' سے نہ صرف یہ کہ گذشتہ دو تین دہائیوں کی ادبی تاریخ کے یادگار لمحوں کی بازیافت ہوتی ہے بلکہ شعریٰ کی نظموں کو ایک ساتھ پڑھنے کا موقع ملتا ہے۔ ایسی نظمیں، جو اُردو نظم کی تازہ کار تاریخ میں آج بھی اپنا الگ ذائقہ رکھتی ہیں۔ ان نظموں میں وہ فضا ہے جو لفظ کو استعارے کی قوت عطا کرنے اور پھر اس قوت کو وقت کے رہوار پر ایک سیال کیفیت میں سمو دینے سے پیدا ہوتی ہے۔

شعریٰ کا اسلوب اُردو کے مستند نظم نگاروں سے بھی مختلف ہے۔ اُن کے اسلوب پر نہ میرا جی کا اثر ہے، نہ راشد کا نہ اختر الایمان کا اور نہ ترقی پسند تحریک کے نظم گو شعرا کا۔ تاہم شعریٰ کی نظم نگاری کو اگر کسی مکتبِ فکر سے وابستہ کرنا ضروری سمجھا جائے تو اِن نظموں کا رشتہ راشد کے مکتب فکر سے جوڑا جاتا ہے۔ معاصر شعرا میں وہ قاضی سلیم اور بلراج کومل سے قریب نظر آتی ہیں۔ تاہم اُن کی نظمیں خود اپنا مآل، اپنا اسلوب اور اپنی ذاتی کائنات ہیں۔ اور ایک ایسے فن کار کا اظہار ہیں جس کی گرفت میں انفس و آفاق بھی ہیں، بحر و بر اور دشت و شجر بھی اور آج کا وہ مشینی عہد، بھی جس میں تمام جمالیاتی قدریں نیست و نابود ہو گئی ہیں۔

شعریٰ کی نظموں میں ابہام کی جو فضا محسوس ہوتی ہے، وہی شعریٰ کی ذاتی کائنات کا تعارف اور شناخت نامہ ہے، البتہ نظموں کے عنوانات تخلیق کے بنیادی محور کی جانب اشارہ کرتے ہیں اور اس

طرح اُن کی نظموں کی تفہیم کے لیے ایک سرا میسر آ جاتا ہے۔ چناں چہ شہر نوا، بحر تمثال، کھیل رتوں کا، ارض موعود، رُت مالا، باز گشت، شفیع الامم، جیسے عنوانات کی راہ داریوں سے ہم شعریٰ کی تخلیقی کائنات تک رسائی کے لیے ایک پر اسرار راستے کو دریافت کر لیتے ہیں اور درون احساس تخلیق، ایک ایسی کائنات سے آگاہ ہوتے ہیں، جس میں تخلیق کار کی ذات اور اس کے انفس و آفاق ایک دوسرے سے تصادم نظر آتے ہیں۔ اسی تصادم میں شعریٰ کے تخلیقی استعارے ایک سبک اندام اسلوب کے ذریعے شعری کائنات کے رموز کو نمایاں کرتے ہیں مثلاً:

کس زور، کسی شور سے بہہ رہا ہے
بے سدھ کنارا
اس میں تو ہر شے
سیال بے حال
سمتوں کا الجھاؤ
اُمڈا ہوا کف
رشتوں کا پھیلاؤ
اُڑتا ہوا جھاگ
بڑھتی ہوئی رو
دریا سے ساگر
ساگر سے ساگر
یہ بات کیا تھی

"شجر تمثال" کا یہ اقتباس دو طرح کے صوتی آہنگ کو نمایاں کرتا ہے ایک تو وہ آہنگ جو خارج کا ہے، جس میں زور اور شور ہے، رشتوں کا پھیلاؤ ہے، اُڑتے ہوئے جھاگ ہیں، اور دوسرا آہنگ، خود تخلیق کار کا داخلی احساس ہے، جو ظاہر کی پر ہجوم کائنات کے مقابل، اپنے احساس میں ایک طرز کی سبک روی کا حامل ہے گویا ظاہری دنیا کے تصادمات اور تجربات، فن کار کی باطنی دنیا میں پہنچ کر ایسا رویہ بن

گئے ہیں، جیسے تخلیق کار، اپنی ذاتی کائنات میں، بیرونی سمندروں اور بے سدھ کناروں کو، انتشار و ابتلا کو ایک ایک جست میں عبور کر رہا ہے۔ پانیوں پر قدم رکھنے والا آہنگ، جو تخلیق کار کی ذاتی روش کو ظاہر کرتا ہے۔ "شجر تمثال" دراصل ذات اور بیرونِ ذات کی ایسی کشمکش کو ظاہر کرتی ہے جس میں ظاہر یا خارج کے ہیبت ناک ماحول کو شعریٰ نے اپنی نظم کے باطن میں محض ایک استفہامیے میں تبدیل کر لیا ہے۔ "یہ بات کیا تھی؟" نظم کا اختتامیہ ایک روحانی سرشاری کا منظر پیش کرتا ہے:

اور آس دل کی
اک کلمۂ پاک
اس کی جڑیں ہیں گہری زمیں میں
شاخوں کا چھتنار آکاش میں گم
ہر یگ کے جھونکے میں نو شگفتہ
سرسبز خوشبو

شفیق فاطمہ شعریٰ، بنیادی طور پر، اُس کشمکش، اس tension کو پیش کرنے والی فن کار ہیں جو ذات اور کائنات کے درمیان جاری ہے۔ شعریٰ کے شعری کردار کو اپنے اطراف میں فطرت، آبادیوں، شہروں، مشینوں اور مسائل کا ہجوم نظر آتا ہے۔ اور خود اُس کی ذات میں پیوست وہ سوالات ہیں، جن کا تعلق نجات اور مکتی سے ہے۔ شعریٰ کی بیش تر نظموں میں یہ دو متصادم منظر نامے بے حد نمایاں ہیں۔ مثل نظم "رُت مالا" کا ایک منظر:

دھند میں ڈوبے بھیگے جنگل ـــــ راز بھرے آواز بھرے

اسی نظم میں، بیرونی منظر نامے کے مقابل شعریٰ کے کردار کا خود اپنا احساس، ایک سوال کی صورت یوں ظاہر ہوتا ہے:

مکتی مکتی
نہیں نہیں   یہ نرم ہوا

شفیق فاطمہ شعریٰ نے اپنی نظم کو تصادم کی اس کائنات میں باطنی احساس کی قوت کا اعلامیہ بنایا ہے۔ مثلاً ان کی نظم "بازگشت" کا ایک پہلو جو کسی ڈرامے کے منظر نامے کی طرح سامنے آتا ہے:

نغمہ زار درد کی جانب چلے ہم
ایک بھی ذرہ نہ کچلا جائے اس رفتار سے
نغمہ زار درد کی جانب چلے ہم
کنج میں پیڑوں کے سورج جھانکتا تھا
کوہساروں، سبزہ زاروں میں جھمکتی روشنی کا جشن تھا

یہ منظر وہ ہے جو ظاہری کائنات کے استعارے کو نمایاں کر رہا ہے اس استعارے کے مقابل، باطنی احساس کا اعلامیہ ہے، جسے شعریٰ ایک زبردست قوت تصور کرتی ہیں:

کوئی شکتی ہم میں ہے
جو یوں ہمیں پامال پا کر ہنس سکے
یہ ہمیں آغاز ہی سے ختم کرنے پر تلی تھی
چاہے پھر خود ہی مجاور بن سکے، انجام کار
احتجاج اس کی جو اک شکتی ہے مجھ میں
کس قدر پر شور ہے— (بازگشت)

وجود اور اس وجود کے احساس کو ایسے استعاراتی اسلوب میں پیش کیا ہے، گویا دنیا کے گلوب اور تاریخ کے اوراق کو ایک دوسرے میں تحلیل کر دینے کے بعد ان عناصر کو سیال پانیوں کی رو میں بہا دیا گیا ہو اور اسی بہتی ہوئی رو کے مختلف روپ، اشاراتی منظر اور صداؤں کے درمیان سے حقیقتِ عظمیٰ کو شناخت کرنے کی جستجو کی جائے۔ اس طویل نظم کے کچھ اقتباسات سے بات واضح ہو سکتی ہے مثلاً:

پھر پہل سنگ باری کی کرنے
بڑھے کون پاک آستیں سب سے آگے
خموشی؟

خموشی نہیں ـــــــ!

چشم پوشی یہ بازی نہ ہارے

ذات و کائنات کی کشمکش ہمیشہ ہی شاعری کا موضوع رہی ہے لیکن بیسویں صدی میں یہ موضوع اتنا شدید اور اتنا ہمہ گیر ہو گیا ہے کہ تمام اہم شعرا کے یہاں یہ موضوع سب سے بڑی کشمکش کی حیثیت سے نمایاں ہوتا ہے۔ ہمارے زمانے میں زمین اور آسمان کے درمیان فاصلے ہی کم نہیں ہوئے بلکہ وہ اسرار اور وہ عقائد بھی معدوم ہو گئے ہیں جن پر تخلیق کائنات کے تصورات اور فلسفوں اور روحانی عقائد کی اساس قائم تھی۔ اس کائنات گیر شکست وریخت نے جہاں عوامی سطح پر alienation کا مسئلہ پیدا کیا ہے، وہیں بیسویں صدی کے فن کار کو روحانی نوعیت کی تنہائی اور گمشدگی کے احساس سے بھی دوچار کیا ہے۔ شعریٰ نے اپنی نظموں میں بیسویں صدی کو ایک ایسی رات کی علامت میں پیش کیا ہے جس میں ستارے اور سیارے تو ہیں لیکن تخلیق کار کا احساس روشنی کے لیے اور روشنی کی نمود کے لیے ترس رہا ہے۔ مثلاً:

اکیلے پن کی بکھرتی ہوئی نمود جسے

ملا ہے گہرے سمندر کا خود کلام نشہ

جواز اس کے لیے ساحل تمنا کا

شناخت کے لیے اپنی کوئی نشاں مانگیں (شب نامہ)

شفیق فاطمہ شعریٰ کے تخلیقی احساس کی بنیادی کلید، وہ روحانی احساس ہے، جس کے ذریعے زبان و زماں کی عافیت کا حصول ممکن ہے۔ یہی سبب ہے کہ ان کی نظموں میں، اور ''آفاق نوا'' کی تخلیقات میں ایک نظم ''شفیع الامم'' بے حد نمایاں اور بھرپور نظم ہے۔ چشمۂ ازل سے دورِ حاضر کی ابتری تک کا منظر نامہ تخلیق کرنے کے بعد شعریٰ نے اقصائے کون و مکاں کی روح کو دریافت کرنے کا جتن کیا ہے۔ میرا خیال ہے کہ شعریٰ کی نظموں میں ''شفیع الامم'' کو کلیدی حیثیت حاصل ہے۔ اس طرز و اسلوب کی نظمیں، اردو میں صلاح الدین پرویز کے علاوہ کسی دوسرے شاعر نے تخلیق نہیں کیں۔ شعریٰ نے اس

نظم میں تاریخ کے گم شدہ زمانوں کو، حال کے بے اماں لمحوں کو، نسل در نسل فروغ پاتی ہوئی انسانیت کو، رفتہ رفتہ معدم ہوتے ہوئے احساسِ عافیت کو سمیٹ لیا ہے۔

مشینوں کے مدِ مقابل مشینیں
درندے، جراثیم، عفریت——حشرات کی نسل نو
یا فنا——یا عدم——ہم!
کہ پھر ہم ہیں وہ، جو من و تو سے ہٹ کر ہے
ورائے ہست
ہمیں ہیں، ہماری نمو دگر——صبحِ تاریخ روشن ہوئی
ہمیں ہیں، ہماری نئی آفرینش

——

یہ بھوبھل میں ڈوبے ہوئے شہر، قریے
کبھی ان پہ رم جھم نہ برسی ہماری پکار

——

گجر دم کے گاڑھے کہر میں سرنگیں بناتی ہوئی
چیخ انجن کی بڑھتی گئی——
نیم خوابیدہ آنکھوں پہ ٹھنڈے چھپاکے لگاتی رہی
یخ ہوا۔

——

دھونکنی نشر گاہوں کی دھونکے چلی جا رہی ہے
خبر پر خبر
سنسنی، تہلکہ دھوم دھام
دل میں اک گدگدی سی——شماتت
زباں تک پہنچ کر رہی

ایٹمی بیڑے کی گھن گرج بن گئی

''شفیع الامم'' ہمارے عہد کا وہ رزم نامہ ہے جو لمحۂ موجود کا کھولتا ہوا جہنم بھی ہے، اور اس گم گشتہ روحانی عافیت کے وجود کا اعتراف بھی جسے شفیع الامم کہا جاتا ہے۔ شفیق فاطمہ شعریٰ نے اپنی نظموں کے ذریعے جدید عہد کے انسانی مطالبات کو جس استعاراتی انداز میں پیش کیا ہے وہ ان کی اپنی انفرادیت بھی ہے، اردو نظم کے ایک عہد کا وقار بھی اور جدید ادب کی تاریخ کا ایک باب بھی۔ شعریٰ کا مجموعہ ''آفاق نوا'' یقیناً ہماری جدید نظم کی تاریخ کے تشکیلی عہد کا شناخت نامہ ہے۔

(سوغات، ستمبر ۱۹۹۱ء)